https://doi.org/10.58352/tis.v49i1.929

The Islamic Culture
Bi-Annual Research & Refereed Journal
Published by
Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of Karachi
SZIC
الثقافة الإسلامية
ISSN (Print) : 1813-775X
ISSN (Online) : 2663-1709

مسلم سیاسی فکر سقوط خلافت عثمانیہ تاحال

MUSLIM POLITICAL THOUGHT SINCE COLLAPSE OF USMANIA UNTIL NOW

Syed Zakir Shah
Assistant Professor, Government National College, Karachi.
Email: sayed.zakirshah.phd@gmail.com

Syed Asim Ali
Assistant Professor, Islamia Arts and Science Government College, Karachi
Email: asimsyed75@gmail.com

Abstract:

This study shows how the miserable political conditions of Muslim ummah were across Muslim world ,after the end of first world war with the collapse of Ottoman Caliphate. This also proves the indispensability of the institution of caliphicate for the unity of the Muslim and their prosperity. In the context of political downfall of Ottomans, the western powers destroyed the unity of Muslims by inventing new terminology of Muslim nations. Not only in the Muslim world but even in the Arab world racial, linguistic and parochial prejudice has been inculcated in the minds and hearts of Muslim towards each other. This turmoil situation is evident from the terrible clashes of Arabs with Turks and between East and West Pakistan Bengalis v/s west Pakistanis. However, in this political turmoil Muslim thinkers came forward and tried to regenerate the Muslim ummah and to re establish an Islamic state which could protect muslim from being destroying, most important among them are, Allama Muhammad Iqbal, maulana Abul' kalam Azad, Syed Abu al ala Maulana Modoodi,and Dr.Israr Ahmed.A brief description of their work has been discussed in this article.

Key words: Muslim Ummah, Caliphate, Muslim Nations,Ottoman Caliphate, Muslim world.

تجزیاتی مطالعہ۔

سقوطِ خلافتِ عثمانیہ نے امتِ مسلمہ کا وجود پارہ پارہ کر دیا۔

مارچ 1924ء میں مصطفیٰ کمال نے انگورہ میں جمہوریہ ترکیہ کے قیام کے اعلان کے ساتھ ہی خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا بھی اعلان کیا، اور یوں تحریکِ خلافت جو کہ زیر قیادت جو ہر برادرز، خلافتِ عثمانیہ کی بحالی کے لئے ہندستان میں بہت زور و شور کے ساتھ جاری تھی، وہ بھی اختتام پذیر ہوئی۔ یہ ایک بہت بڑا نقصان تھا، جو مسلمانوں کو ہوا۔ اس کے برے اثرات بہت دور رس نکلے، امت مسلمہ کا وجود پارہ پارہ ہو گیا، اور مغربی سیاسی افکار نے مسلمانوں کے اذہان کو پراگندہ کیا۔ جو ہری تبدیلی یہ آئی کہ مسلمان امت مختلف قومیتوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہ وہ دور تھا، کہ مسلمانوں کا ایسا زوال شروع ہوا، کہ جس کی کوئی نظیر اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس موقع پر علامہ محمد اقبال کا یہ شعر ان کا خلافتِ عثمانیہ کے سقوط پر ماتم کناں ہے۔

؎ چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

سادگی اپنوں کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ۔

اور شبلی نعمانی کی نظم شہر پر آشوب میں جس افسوس کا اظہار اس نے کیا، وہ اس واقع پر صادق آتا ہے۔

؎ حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک۔

چراغ کشتہ محفل سے اٹھے کا دھواں کب تک۔

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیے پرزے
فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کب تک

مراکش جا چکا، فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جاں کب تک

یہ سیلاب بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اُسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک

یہ سب ہیں رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر اُن کو دکھائے گا شہید نیم جان کب تک

یہ وہ ہیں نالۂ مظلوم کی لے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ اُن کو سنائے گا یتیم ناتوان کب تک

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو
یہ ظلم آرائیاں تاکے یہ حشر انگیزیاں کب تک

!یہ جوش انگیزی طوفان بیدادو بلا تاکے
یہ لطف اندوزئ ہنگامۂ آہ وفغان کب تک

یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہو گا اس کا امتحان کب تک

!نگارستان خون کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی
تو ہم دکھلائیں تم کو زخم ہائے خون چکان کب تک

یہ مانا گرمئ محفل کے سامان چاہییں تم کو
دکھائیں ہم تمھیں ہنگامۂ آہ وفغان کب تک

یہ مانا قصہ غم سے تمھارا جی بہلتا ہے
سنائیں تم کو اپنے درد دل کی داستان کب تک

یہ مانا تم کو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمھاری کھیتیاں کب تک

!عروس بخت کی خاطر تمھیں درکار ہے افشاں
ہمارے زرہ ہائے خاک ہوں گے زر فشاں کب تک

کہاں تک لو گے ہم سے انتقام فتح ایوبیؔ
دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

سمجھ کر یہ کہ دُھندلے سے نشان رفتگاں ہم ہیں
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کب تک

زوال دولتِ عثماں زوال شرع ملت ہے
عزیز و فکر فرزند و عیاں و خانماں کب تک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ تیاریاں کیا ہیں
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک

پرستاران خاک و کعبہ دنیا سے اگر اُٹھے
تو پھر یہ احترام سجدہ گاہ قُدسیاں کب تک

جو گونج اُٹھے گا عالم شور ناموش کلیسا سے
تو پھر یہ نغمہ توحید و گلبانگِ اذن کب تک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازہ اوراق اسلامی
چلیں گی تند باد کفر کی یہ آندھیاں کب تک

کہیں اُڑ کر نہ دامانِ حرم کو بھی یہ چھو آئے
غبار کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کب تک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغان حرم کا آشیاں کب تک

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہ اب امن و امان و شام و نجد و قیروان کب تک

(دیوان شبلی ۱۲۲۔۱۲۵)

اور

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

اسلام کا گر کر نا ابھرنا دیکھے،

مانے نا کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد

دریا کا جو ہمارے اترنا دیکھے۔

اور

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے

پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے۔

ہر مسلم آنکھ اشکبار ہوئی اور اس وقت کے مسلم مفکرین نے اپنے اپنے ماحول ومیّسر وسائل کے لحاظ سے امت مسلمہ کی راہنمائی کی۔ جن میں سر فہرست ،، علامہ اقبال، مولانا ابو الکلام آزاد، سیّد ابو الاعلیٰ مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد ہیں۔

بقولِ اقبالؒ۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے۔

نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے۔

عالم اسلام پر اس وقت گویا عذابِ الٰہی کا نزول ہو رہا تھا کہ پہلی عالمگیر جنگ کے اختتام پر سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکرے ٹکرے ہو گئے، اور وہ سمٹ سمٹا کر ایشیاء کو چک میں محدود ہو گئی، شمالی افریقہ اور عالم عرب چھوٹے چھوٹے ٹکروں میں بٹ کر یورپی اقوام کے براہِ راست زیرِ دست ہو گیا، یا بالواسطہ محکومی قبول کر لی۔ اور مسلمانوں کا حال اس حال کو پہنچا جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی تھی، کہ اقوام عالم تم پر ایسے جھپٹیں گے کہ جیسے دستر خواں پر دعوتِ طعام کا اہتمام کرنے والا مہمانوں کو بلاتا ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر مسلمانوں پر مغربی استعمار کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ اللہ تعالی کی غضب یافتہ اور ملعون شدّہ قوم کے ہاتھوں عربوں کو 1967ء میں شکستِ فاش ہوئی اور ایک بار پھر مسجد اقصیٰ کی حرمت پامال ہوئی۔ بیت المقدس بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے گیا اور یہود اس پر قابض ہو گئے۔ گردشِ ایّام نے یہ منظر بھی دکھلایا کہ مغربی استعمار نے امتِ مسلمہ کی وحدتِ ملی کو ٹکرے ٹکرے کر دیا۔ اور اس صدی کے شروع ہی سے نسلی اور علاقائی عصبیّتوں کے بیج کاشت کئے گئے، مسلمانوں میں لسانی ،علاقائی، اور نسلی تعصب کا فروغ اسی کا برگ وبار ہے۔ مغربی استعمار نے سب سے پہلے عرب قومیت کا احساس عربوں میں اجاگر کیا اور ان کو ترکوں کے خلاف لڑایا۔ اس طرح

وہ عالمِ اسلام کو دولخت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور ملتِ اسلامیہ کے ایک علامتی ادارے کو بھی نیست و نابود کر دیا۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہ کی بلکہ عربوں کو بھی چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم کر دیا دراں حالیکہ ان میں نسلی، مذہبی اور لسانی اشتراک بھی موجود ہے۔ نیز مسلمانوں کے درمیان انہی اختلافات کی بدولت اس صدی کے آغاز میں ترکوں کا خون عربوں کے ہاتھوں بہا، اور 1971ء میں بنگالی مسلمانوں نے غیر بنگالی مسلمانوں کے خون سے اپنے آپ کو رنگین کیا۔ 1ے

بیسویں صدی عیسوی میں مسلم اقوام کی نئی اصطلاح وضع کی گئی۔ جو کہ اصولی طور پر ہی صحیح نہیں۔ کیوں کہ اسلام کے اصولوں کے مطابق تمام روئے ارضی کے مسلمانوں کی حیثیت ایک امت واحدہ کی ہے نہ کہ قوم کی جو کہ ناقابلِ تقسیم اکائی ہے۔ اس صدی کے آغاز تک وحدتِ ملی کا تصور مسلمانوں میں موجود تھا، جو کہ رفتہ رفتہ ختم کر دیا گیا۔ اور اب حال یہ ہے دنیا میں مسلمان اقوام تو موجود ہیں، لیکن امتِ مسلمہ کا کہیں وجود نہیں رہا۔ اگر اس حقیقت پسندانہ نکتہ ء نظر سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کی آزادی اور خود مختاری کا احیائے اسلام سے چنداں تعلق نہیں۔

بقولِ اقبال۔

ے نشہ ءمے کو تعلق نہیں پیمانے سے۔

لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ مستقبل کے بارے میں کوئی اپنے طور سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیا خبر اللہ عز و جل اپنے دین کی سربلندی کی سعادت کسی بھی قوم کی تقدیر میں لکھ دے۔ لیکن موجودہ حالت میں اسلام کا مستقبل موجود مسلمان اقوام کے ساتھ ہی نتھی معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال مسلمان اقوام کو آزادی کی نعمت کا حصول بھی اللہ کے فضل و کرم سے کم نہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ بھی احیائے اسلام کی ایک کڑی ثابت ہو۔ اور مختلف مسلمان ممالک کی بنیاد جن افکار پر رکھی گئی، وہ نسلی اور علاقائی عصبیت تھی۔ ان افکار کا اسلام سے اگرچہ کوئی علاقہ نہیں لیکن آزادی کے حصول کے لئے ان عصبیتوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ اس طرح اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق زیادہ مضبوط نہ رہا، کہ یہ کسی اسلامی تحریک کی اساس بنتا۔ ترک قوم کا قومی جذبہ اگر وقت ضرورت پر بیدار نہ ہوتا، تو آج ترکی بھی موجود نہ ہوتا اور اسی طرح عالم عرب بھی اپنے عرب نیشنلزم کو بنیاد بنا کر مغربی سامراج کے چنگل سے آزاد ہو سکتا ہے۔ اندریں حالات تحریکِ پاکستان کی اساس دیگر مسلم ممالک کے برعکس اسلام پر رکھی گئی۔ برِ صغیر کے مسلمانوں نے انگریز سامراج سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ہندی قومیت کو بنیاد نہیں بنایا، اگرچہ اس کی وجہ جواز بھی موجود تھی۔ یہ اللہ عز و جل کا خصوصی فضل و کرم ہی تھا، کہ اسلامیانِ ہند نے تحریکِ پاکستان کی بنیاد اسلام پر رکھی اور پاکستان حاصل کیا۔ اس لئے پاکستان کی بقا اور استحکام کے لئے اسلام ہی وجہ ء جواز ہے۔ اس حساب سے مسلمانانِ پاکستان دیگر مسلم ممالک سے نظری اور عملی اعتبار سے ایک قدم آگے ہیں۔ 2ے

مسلمانانِ ہند نے دین اسلام کو تحریکِ پاکستان کی اساس کیوں بنایا؟ اس کے فطری طور پر اسباب پیدا ہوتے رہے۔ ایک تو ہندوؤں کی تنگ نظری کا مسلمانوں کو خوف تھا اور دوسرے یہ کہ مسلمانانِ ہند میں پہلے سے ہی جذبہ ملی موجود تھا۔ جس کی واضح مثال کا مظہر تحریکِ خلافت کا ہندستان میں برپا ہونا تھا۔ اور سب سے اہم حقیقت یہ کہ اس خطہ ء ارضی کو علّامہ اقبال جیسی عظیم شخصیت ملی۔ جس کی آفاقی شاعری نے ملتِ خوابیدہ کو خوابِ غفلت سے جگایا۔ ان کی شاعری میں انتہائی پر تاثیر حدی خوانی تھی۔ جس نے جذبہ ء ملی کو بیدار کیا۔ ان کی اس ملی شاعری نے احیائے اسلام کی اور نشاۃِ ثانیہ میں نشاں راہ کا کام دیا۔ 3ے

اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں علمائے اسلام جن کا تعلق برِ صغیر پاک وہند سے ہے، ان کی خدمات اور قربانیوں کا اعتراف کئے بغیر احیائے اسلام کی داستان نامکمل رہتی ہے۔ علمائے اسلام کی تناظیم اور جماعتیں اپنے اپنے انداز سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں ہمہ تن مصروف عمل ہیں۔ یہاں کے علمائے کرام کو مسلمانوں کے ہاں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ مسلمانوں کے معاملات میں ان کو کافی اثر ورسوخ بھی حاصل ہے۔ اور اسلام کی جڑیں بھی اس خطہ ءارضی میں خاصی مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں۔ کیونکہ یہ ایک تسلسل ہے، ان تجدیدی اور اصلاحی کام کا جو امام الہند شاہ ولی اللہؒ نے کیا۔ وہ ایک جامع شخصیت کے حامل شخص تھے، ان جیسی کوئی جامع شخصیت ان کے بعد پورے عالم اسلام میں دوبارہ پیدہ نہیں ہوئی۔ انہوں نے برصغیر میں قرآنِ پاک کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا اہتمام کیا۔ اس طرح مسلمانوں کی توّجہ علمِ دین کے اصل سرچشموں کی طرف مبذول کرائی اور اسلامی فکر کی تدوینِ نو کی جس کی وجہ سے دین اور اہلِ دین کی بنیاد مضبوط کر دی گئی۔4

مگر حقیقت یہی ہے کہ علمائے دین کی جدوجہد کا اصل ہدف عہدِ حاضر میں بھی اسلام کے احیاء اور تجدیدِ دین کی نسبت دینِ اسلام کے عقائد واعمال کی حفاظت ہی رہا۔ جو ایک تسلسل ہی تھا، سابقہ مجددین کی جملہ مساعی کا۔ اگرچہ بعض معاملات میں عہد حاضر میں اجتہاد کا دروازہ بند ہونے پر اور تقلیدِ جامد کی ایجاد کے بعد جب ہر فرقہ وگروہ کے علماء نے اپنے اپنے نکتہ ءنظر کے مطابق دین کے نظامِ عقائد وافکار کی حفاظت کا ہدف بنالیا تو اس سے فرقہ پرستی کو بھی کافی فروغ ملا۔ نیز دورِ جدید کے لادینی مغربی افکار نے مسلمانوں کے افکار کو بری طرح متاثر کیا۔ اور ایسا بھی نہ ہوا کہ علماء کرام دورِ حاضر کے افکار و نظریات کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے جیسا کہ امام غزالیؒ اور امام ابنِ تیمیہؒ و کلاسیکی مسلم مفکرین نے اپنے اپنے عہد میں کیا، اور صحیح معنوں میں مدافعت وحفاظتِ دین کے تقاضے پورے کئے۔ دورِ جدید کے لادینی مغربی افکار سے بے خبری نے علمائے کرام کو عملی سیاست سے دور کر دیا۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں بریلوی تحریک کی بنیاد رکھی گئی۔ اس تحریک کے عقائد دیوبندی تحریک سے مختلف تھے۔ اس تحریک نے بھی مساجد و مدارس کو اپنا مرکز بنایا۔ دیوبند مکتبہ ءفکر نے ان پر بڑی تنقید وجرح کی لیکن جمعیت علمائے ہند کے برعکس بریلوی علماء مکتبہ ءفکر نے تحریکِ پاکستان کی کھل کر حمایت کی۔ ایک بات ضرور ہے کہ برِ صغیر کے علماء دین نے دینِ اسلام کے جہاز کو ہر طرح کے طوفاں سے بچانے کے لئے مضبوطی سے لنگر انداز کیا کہ کوئی اسے غلط رخ پر ڈال نہ سکا ۔اس حوالے سے دیوبندی مکتبہ ءفکر کو ایک خاص مقام حاصل ہے، جسے شاہ ولی اللہؒ کی علمی وراثت کے امین ہونے کا شرف ملا اور جو کہ دینی مدرسوں اور عظیم دینی تحاریک کا سرچشمہ بھی ہے۔ ایک اہم تحریک تبلیغی جماعت کے نام سے مسلم عوام کی اصلاح اعمال میں سرگرمِ عمل ہے۔ اس احیائی عمل کا سب سے اہم اور اصل پہلو وہ جماعتیں ہیں جن کی بنیادِ تاسیس ہی اقامتِ دین کی ادائیگی پر رکھی گئی ہے۔ مسلمان ممالک میں مختلف ناموں سے یہ تناظیم حرکت میں ہیں، مصر میں الاخوان المسلمون اور پاک وہند میں جماعتِ اسلامی۔5

امیرِ جماعتِ اسلامی سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے مغربی تہذیب کے اصول ومبادی کو خود اعتمادی کے ساتھ چیلنج کیا۔ اپنے عام فہم اور سلیس اندازِ تحریر سے اسلامی تہذیب کے اصول ومبادی کی تشریح کی۔ اسلام کے معاشرتی نظام اور سیاسی نظام پر بہترین کتابیں تصنیف کیں۔ ایسا لگتا ہے کہ علاّمہ محمد اقبالؒ کے افکار جو انہوں نے اپنی شاعری میں پیش کئے ہیں، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے ان کے افکار کی تفسیر و توضیح اپنی کتب میں لکھ دی ہو۔6

اس کے علاوہ مسلمانانِ ہند کے جداگانہ قومی تشخص کے حوالے سے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے علاّمہ اقبال کے افکار کی پیروی کی اور متحدہ قومیت کی بھرپور انداز سے مخالفت کی۔ اگرچہ جمعیت علمائے ہند ایسی طاقتور جماعت اور اس پر مستزاد یہ کہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہو کر متحدہ قومیت کے پرزور حامی ہو

گئے تھے اس وقت اکابر علمائے دیوبند کی اکثریت کانگرس کی ہمنوا بن چکی تھی۔ شیخ الہند محمود حسن کے بعد مولانا حسین احمد مدنیؒ اُن کے جانشین بنے'جو کانگرس کے ساتھ تعاون واشتراکِ عمل کرنے میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ متحدہ قومیت کے داعی بن گئے۔ ان کا نظریہ تھا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ ادیان سے۔ ان پر ہندستان کے علمائے کرام و مسلم مفکرین نے شدید تنقید کی۔ ان میں علامہ اقبالؒ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ نمایاں تھے۔ مولان حسین احمد مدنی کی کتاب متحدہ قومیت کے جواب میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مسلہء قومیت لکھی اور بڑے موَثر انداز میں ثابت کیا کہ مسلمانوں کی قومیت کی اساس دینِ اسلام ہے نہ کہ کوئی وطن۔ مولانا مودودی کے قلم نے موثر کردار ادا کیا، ان کی کتب "مسلہء قومیت" اور "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" نے اس وقت قومی تحریک کی آبیاری کی۔۔ مولانا مودودی کی ان تحریروں نے علامہ اقبال کو بھی متاثر کیا، اس لئے علامہ اقبال کی عقابی نگاہوں نے مولانا مودودی کا انتخاب کیا، اور ان کو دکن کی سرزمین کو خیرباد کرنے کا کہا اور سرزمینِ پاکستان کے زرخیز ترین علاقے پنجاب میں بسنے کی فرمائش کی۔ جس کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے منظور کیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مولانا ابولاکلام آزاد کی ترک کی ہوئی دعوتِ جہاد کی نہ صرف توثیق کی بلکہ مزید تفصیل بیان کی۔ اس نے "الجہاد فی الاسلام" جیسی معرکتہ اراء کتاب تحریر کی، جس میں معذرت خواہانہ انداز کی بھرپور انداز سے نفی کی، اور ایمان کے اہم ترین رکن جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں قرآن وسنت کے دلائل وبراہین سے مغرب کے اعتراضات کا موثر جواب لکھا۔ مولانا مودودی کے اس احیائی وانقلابی تحریروں میں حکومتِ الٰہیہ کی اصطلاح استعمال کی گئی، جس میں مونالا امین احسن اصلاحی نے خالص قرآنی اصطلاحات "اقامتَ دین" اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا اضانہ کیا۔ جماعت اسلامی اپنے اصل ابتدائی نام کے ساتھ پاکستان، بنگلادیش اور بھارت میں موجود اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے برسرِپیکار ہے۔ پورے عالم اسلام میں جماعتِ اسلامی کو ہی پاک وہند کی اصل اسلامی تحریک کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ نیز غیر مسلم ممالک میں بھی جماعتِ اسلامی کو ہی ایک قابلِ لحاظ بنیاد پرست جماعت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی کامیابی کی منزل نظر نہیں آئی۔ اس کے اسباب میں داخلی اور خارجی عوامل شامل ہیں۔ 7

علاّمہ محمد اقبال۔

عہدِ حاضر میں اسلام کی انقلابی فکر کی تجدید میں سب سے اہم کردار علاّمہ محمد اقبال کا ہے۔ مسلمانوں نے دینِ اسلام کو محض مذہب سمجھ لیا تھا، اور یہ بات بھول گئے تھے کہ اسلام صرف چند مذہبی رسومات ادا کرلینے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے، ہے جو کہ اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ اور مغربی اقوام کی غلامی نے مسلمانوں کو پست ہمت اور کوتاہ نظر بنا دیا تھا۔ تکبیر ربّ، جیسے انقلابی تصوّر کو مسلمانوں نے صرف تسبیح وتحمید تک محدود کر دیا تھا۔ علامہ اقبال نے بڑے پر اثر انداز سے دین ومذہب کے اس فرق وتفاوت کو واضح کیا۔

یاوسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل

یاخاک کی آغوش میں تسبیح مناجات۔

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ وخدا مست

یہ مذہبِ ملاّو جمادات ونباتات

تین اعتبارت سے علّامہ اقبال ہمارے محسن ہیں۔ ایک یہ کہ سرزمینِ پاکستان جس میں ہم ایک آزاد اور خود مختیار قوم کی حیثیت سے رہ رہے ہیں، اس کا قیام علامہ اقبال کے تصوّر پاکستان کا رہینِ منت ہے۔ دوم یہ کہ وہ عالمی ملتِ اسلامی اور امتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کا سب سے بڑا حدی خواں ہے، سوم یہ کہ دینِ اسلام کے احیاء اور اس کی نشاۃِ ثانیہ کے عظیم داعی کی حیثیت بھی اقبال کو حاصل ہے۔ علّامہ اقبالؒ نے اسلام کی انقلابی فکر کی تجدید کی لیکن خود عملی طور پر کسی تحریک کا آغاز نہیں کیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے جس طرح اپنی مساعی کو صرف قلم و قرطاس تک محدود رکھا، لیکن بعد میں یہی فکر سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریکِ جہاد کا سبب بنی۔ اسی طرح بیسویں صدی عیسویں کی ساری احیائی تحریکیں بھی فکرِ اقبال کی ہی مرہونِ منت ہیں۔ علامہ اقبال نے مغرب کی علمی اور سائنسی ترقی کو قران کا ظہور قرار دیا۔ اسی طرح عوام کے سیاسی اور معاشی حقوق کے تصور کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے مستعار اور ماخوز قرار دیا۔ اسلام کے علم کلام کو افلاطونی سیاسی تصورات کی وادیوں سے نکالا۔ ارسطو کی منطق کے چنگل سے بھی آزادی دلائی۔ اور جدید تجرباتی علوم کی اساس پر اسے استوار کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی عمرانی نظریات اور سیاسی تصورات پر زبردست تنقید کی۔ دوسری جانب اسلام کے صحیح انقلابی فکر کی پوری شان کے ساتھ تجدید کی۔ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے دیے گئے دینِ اسلام اور اس کا نظامِ عدل اجتمائی کو دورِ جدید کی اعلی ترین فکری سطح پر ہم اہنگ کر کے پیش کیا۔ مغربی افکار، سیکولرزم اور نیشنلزم و وطنی قومیت علامہ اقبال کی تنقید سے بچ نہ سکے۔ علامہ اقبال کے نزدیک دین اور سیاست کی علیحدگیاس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ نیز انسانی حاکمیت کا نظریہ علامہ اقبال کے نزدیک کفر اور شرک ہے۔ چاہے وہ شخصی حاکمیت کا نظریہ ہو یا قومی اور عوامی حاکمیت کا۔ ذیل میں علامہ اقبال کے چند اشعار درج کئے گئے ہیں، جو مزکورہ بالا سطور کی سچائی پر شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔

؎ جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اور

؎ ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی

ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم ابلیس کی مجلسِ شورہ میں کتنے گہرے اور شاندار پیرائے میں یہ بات بیان کی۔

؎ ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس

جب ذرا آدم ہوا خود شناس و خود نگر

علامہ محمد اقبال سمجھتے تھے کہ دیارِ مغرب میں احیاء العلوم اور اصلاح مذہب کی تحریکوں کی بدولت بنی آدم میں ایک طرح کا شعورِ خود نگری، اور خود شناسی پیدا ہوا، وہ اپنی اصل کے لحاظ سے تو صحیح تھا لیکن اس کو ابلیس اور اس کے چیلوں نے عوامی حاکمیت کا لباس پہنا کر شیطانیت کا سب سے بڑا ابلیسی نمائندے کا کردار دیا۔ اسی طرح علامہ محمد اقبالؒ نے

وطنی قومیت پر جو نظم رقم کی ہے، وہ وطنی قومیت کی بیخ کنی کے لئے کافی ہے۔ جس کی بدولت ان کو بجاطور پر مغربی تمدن کے سب سے بڑے بت کو توڑنے ولا اور قومیتِ اسلام کے مجد داعظم قرار پانے کے مستحق ہیں۔

؎نظارہء دیرینہ زمانے کو دکھادے

اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملادے۔

علامہ اقبال نے اپنی اردو نظم میں وطنی قومیت کے سیاسی تصور کو عہد حاضر کے تازہ خداؤں میں سب سے بڑا خدا قرار دیا۔ اور تہذیبِ جدید کے آزر کے تراشیدہ اصنام میں سے سب سے بڑا صنم قرار دیا۔ وطنیت کو گویا شرک قرار دیا، جو کہ اسلام میں نا قابل معافی گناہ ہے۔ علامہ اقبال نے قومی وطنیت کو بنی نوعِ انسان کے لئے تباہ کن اور مہلک مرض قرار دیا جس کے وجود سے مخلوقِ خدا میں رقابت جنم لیتی ہے، اور فرقہ وعداوت پرورش پاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں سیاست اخلاقِ عالیہ سے خالی ہو جاتی ہے۔ اور تجارت کا مقصود سرمایادارانہ نظام کی حفاظت بن جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے غریب اقوام کا گھر غارت گری کا شکار ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے مغربی سیاسی افکار، سیکولرزم، عوامی حاکمیت اور وطنی قومیت کی پرزور بھی کی اور مغربی تمدن کو انتباہ دیا کہ

؎دیارِ مغرب کے رہنے والوں خدا کی بستی دکان نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زر کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی۔

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہو گا۔

علامہ محمد اقبال نے 1936ء میں ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کہی جس میں امتِ مسلمہ کے نام پیغام، ان کی طرف سے پیامِ آخریں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ ابلیس اور اس کی ذریعت کو اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ اسلام سے ہے، نہ کہ جمہوریت سے۔ اور نہ ہی اشتراکیت سے، کیوں کہ مغرب کی نانہاد جمہوریت تو دراصل ملوکیت کا ایک پردہ ہے، جس کا چہرہ تو بظاہر روشن ہے لیکن باطن اس کا وہی ہے، جو کہ چنگیز خان کا تھا۔ اسی طرح اشتراکیت بھی بنی نوع انسان کی پریشانیوں کو حل نہیں کر سکتی۔

؎کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد

یہ پریشاں روزگار' آشفتہ مغز، آشفتہ ہو!

اور

ہے اا گر کوئی خطر مجھ کو تو اس امت سے ہے

جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

اور

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے

مزدکیت فتنہء فردا نہیں 'اسلام ہے۔

ابلیس کو اسلام سے اصل خطرہ تو ہے لیکن مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال سے ابلیس کو پورہ اطمینان بھی حاصل ہے، کہ ان مسلمانوں میں اب وہ دم نہیں کہ ابلیسی نظام کو نقسان پہنچا سکیں۔

؎جانتا ہوں میں کہ یہ امت حامل قرآن نہیں

ہے وہی سرمایہ داری بندہء مومن کا دیں۔

اور

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں

بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستین!

مسلمانوں کے ایمان کی حالت کے بارے میں ابلیس کو یہ معلوم ہے، کہ وہ یقین سے بے یقینی میں مبتلہ ہو گئے ہیں۔

؎یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقین

لیکن بات یہ ہے کہ تاریخ کا دہرائے جانے کا بہاؤ پھر تلاشِ مصطفیٰ کی جانب رواں ہے، لہٰذہ ابلیس کے لئے یہ بات باعث تشویش ہے کہ

؎عصر حاضر کے تقاضاوں سے ہے لیکن یہ خوف

ہو نہ جائے اشکارا شرع پیغمبر کہیں!

اور پھر علامہ اقبال اس نظم کے آخری اشعار میں اسلام کی، نظام مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ کہ ابلیس کو کتنا خوف آتا ہے کہ کہیں دینِ اسلام اپنی اصل شان کے ساتھ دنیا میں جلوہ گر نہ ہو جائے۔

؎الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر

حافظ ناموس زن مرد آزما' مرد آفریں

اس شعر میں علامہ اقبال کے نزدیک اسلام کے معاشرتی نظام کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں عورتوں کی عصمت وعفت اور عزت وناموس کی حفاظت کو اولین ہدف حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں معاشی ذمہ داری کا بوجھ مرد پر ڈالا گیا ہے، عورت پر معاشی ذمہ داری نہیں لگائی گئی۔

؎موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے

نے کوئی فغفور وخاقاں' نے گدائے رہ نشیں۔

مندرج بالا شعر میں علامہ اقبال نے اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں بندہ وآقا کی کوئی تمیز نہیں۔ سب قانون کے سامنے ایک ہی حیثیت کے حامل ہیں۔

؎سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری۔

مندرجہ بالا اور مندرج ذیل شعر میں علامہ اقبال کے مطابق اسلام روئے ارضی پر اللہ کی حاکمیت اور مسلمانوں کی خلافت کے نظام کے خواہش مند تھے۔

؎تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر۔[8]

مولانا ابو الکلام آزاد۔

برِ صغیر پاک وہند میں احیائے دین کی دعوت لے کر اٹھنے والے پہلے مفکّر مولانا ابو الاکلا آزاد مرحوم تھے۔ جس نے اس صدی کے اوائل میں "الہلال "اور "البلاغ " کے رسائل جاری کئے۔ جس میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی پر زور دعوت دی گئی۔ مولانا ابو الاکلام مرحوم کا طرز تحریر بھی نرالا تھا۔ ان کے مخصوص طرزِ تحریر اور خطابت نے ان کی شہرت کو برِ صغیر کے طول وعرض میں پھیلا دیا تھا۔ ان کی دعوت نے بے شمار مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب قرآن کا قانونِ عروج وزوال میں امتِ

مسلمہ کے عروج وزوال کی داستان رقم کی۔۔ لیکن کچھ اسباب کی بنا پر اس نے اس عظیم کام کو خیر باد کہہ دیا۔ اور انڈین نیشنل کانگرس میں شمولیّت کرلی۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب موجِ کوثر صفحات نمبر272۔274۔ میں کہتے ہیں کہ نومبر1914ء میں الہلال کی بندش کے بعد اس کی جگہ البلاغ نے لے لی۔ لیکن یہ بھی مارچ ،1916ء میں بند ہوگیا۔ اس سال مولانا کو رانچی میں اسیر بنا دیا گیا۔1920ء میں مولانا ابولکلام کو رہائی ملی۔ یہ دور مسلمانوں کے لئے بہت ہی اہم تھا۔ اس وقت تحریکِ خلافت اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اسلامی اتحاد کے پر جوش داعی تھے 'اور خلافتِ عثمانیہ کے متحرک معاون تھے۔ انہوں نے بھی جوہر برادرز کے ساتھ تحریکِ خلافت میں برابر کا حصہ لیا، انہوں نے مسلمانانِ ہند کے لئے افغانستان ہجرت کرنے کا فتویٰ صادر کیا۔ جس پر مسلمانوں نے عمل کیا۔ لیکن 1924ء میں ترکوں نے خود خلافت سے دستبرداری کا اعلان کردیا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانانِ ہند کے ان راہنماؤں کو اپنی سیاسی پالیسی پر نظر ثانی کرنی پڑی، جنہوں نے جنگِ طرابلس کے وقت سے اپنی سیاسی پالیسی کی اساس خلافتِ عثمانیہ کی بقا اور ترکی کی شدید محبت پر قائم کی تھی۔ تنسیخ خلافت ان کے لئے ایک صدمہ سے کسی طور کم نہ تھی۔ اب تحریکِ خلافت کے راہنماؤں نے اندرونِ ہند سیاسی دلچسپی لینا شروع کردی۔1928ء میں نہرو رپوٹ شائع کی گئی۔ جس میں ملک کے مستقبل کے آئین کے بارے میں انڈین نیشنل کانگرس نے اپنا نکتہ ءنظر بتایا تھا۔ اس کی اشاعت نے مسلم قومی راہنماؤں کو دو طبقات میں تقسیم کردیا۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ لیکن مولانا ابولکلام آزاد انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہوگئے۔ اس کے بعد ان کی سیاسی زندگی کانگرس کی تاریخ کا ایک باب بن گئی۔ تحریکِ پاکستان کے دور میں وہ کانگرس کے صدر کے عہدے پر تھے، جس کی وجہ سے ان کی شخصیت اور طریقہ ءکار مسلمانوں میں معرضِ بحث بنتے رہے۔ ان کو تقسیمِ ہند سے کچھ قبل کانگرس کی طرف سے وزیرِ تعلیم مقرر کیا گیا، وہ اپنی وفات 1958ء تک اس عہدہ پر رہے۔ 9

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے افکار گزشتہ اوراق میں اجمالی طور پر بیان کئے جاچکے ہیں۔

اس طرح مولانا ابوالکلام آزاد کی دعوت کی بازگشت پاک وہند کی فضا میں گونجتی رہی۔ اگرچہ وہ خود تو میدان چھوڑ چکے تھے۔ لگ بھگ دس سال بعد مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے مولانا ابوالکلام آزاد کو ان کی زندگی میں ہی مرحوم کا لقب دے کر ان کے ترک کردہ کام کو اختیار کیا۔ 1941ء میں جماعتِ اسلامی کے نام ایک جماعت قائم کی۔ بقول ڈاکٹر اسرار احمد افسوس کہ جماعتِ اسلامی اس بلند وبالا مقصد پر زیادہ دیر قائم نہیں رہی۔ اور سیاست کے سنگلاخ میدان میں پھنس کر اپنا موقف پست سے پست تر کرتی گئی۔1956-57ء میں جماعت کے اندر اس احساس نے زور پکڑا جس نے ایک بحران کی حیثیت اختیار کرلی۔ جس کے نتیجے میں ایک کثیر تعداد میں اکابرینِ جماعت نے جماعت سے خود کو الگ کرلیا۔ جن میں کچھ بقولِ ڈاکٹر اسرار اصاغر بھی تھے۔ ان اصاغر میں ڈاکٹر اسرار احمد بھی شامل تھے۔ 10

احیائے اسلام کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد کی اجتمائی جدوجہد کا آغاز۔

اقامتِ دین کہیں یا حکومتِ الٰہیہ کا قیام، مولانا ابو الکلام آزاد نے اس مقصد کے حصول کے لئے 'حزب اللہ' کے نام سے ایک اسلامی جماعت کی تشکیل کی پر زور دعوت دی۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے بھی اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جماعتِ اسلامی کی بنیاد رکھی۔ لیکن مولانا ابولکلام آزاد نے اس عظیم کام کو خیر باد کہہ کر انڈین

نیشنل کانگرس میں شامل ہو گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت یقینی طور پر 'عبقری' تھی۔ اور عبقری انسان زیادہ عملی کردار کے حامل نہیں ہوتے۔ دوسری اہم بات یہ بھی تھی کہ بقول خود ان کے "ہم بیک وقت گلیمِ زہد اور ردائے رندی اوڑھنے کے جرم میں مرتکب ہیں"۔ چنانچہ مولانا آزاد کا احیائے اسلام کا ترک کیا ہوا کام مولانا سید ابو الاعلیٰ نے شروع کیا۔ لیکن بقول ڈاکٹر اسرار احمد جماعت اسلامی اپنے بلند و بالا موٗقف پر زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی، اور انقلابی جدوجہد کو سیاسی وانتخابی راہ پر ڈال دیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے پیشرؤں کی طرح اقامتِ دین کے حصول کے لئے انقلابی جدوجہد کے لئے تنظیمِ اسلامی قائم کی۔ اور بطورِ کنوینر کے کام کرتے رہے۔ اگست 1977ء میں تنظیمِ اسلامی کے تیسرے سالانہ اجتماع میں ڈاکٹر اسرار احمد نے تنظیمِ اسلامی کی امارت سنبھال لی۔ اور اس کی اساس دستوری نظام جماعت کے برعکس بیعتِ سمع وطاعت پر قائم کی۔

تنظیمِ اسلامی کی فکر اور اس کے طریقہء کار کی خصوصیت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا دینی فرائض کے بارے میں تصوّر یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی انفرادی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرے۔ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا رہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرتا رہے۔ یہاں تک کہ اللہ عز و جل کا دین قائم ہو جائے۔ غلبہء دینِ حق کے لئے مندرج ذیل اصطلاحات قرآن میں مذکور ہیں۔

تکبیرِ ربّ۔

تکبیر ربّ سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو تسلیم کرانا۔ اور تشریعی احکام میں اس کے حکم کی تنفیذ کرنا۔ یہ اصطلاح سورۃ المدّثر میں وارد ہوئی ہے۔

؎ سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے۔

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری۔

تکبیرِ رب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نظام قائم کیا جائے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیّتِ اعلیٰ کو تسلیم کیا جائے۔

اقامتِ دین۔

اقامتِ دین کی اصطلاح سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 13 میں آئی ہے۔ دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقے میں نہ پڑو۔ دین اگر پہلے سے قائم ہے، تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسے قائم رکھیں، اور اگر یہ صورتِ حال نہ ہو تو پھر دین کو قائم کرنا اس کے ماننے والوں کی ذمّہ داری ہے۔

یکون الدّین کلہٗ للہ۔

یہ اصطلاح قرآنِ پاک کی مّکی سورتوں، سورۃ البقرہ اور سورۃ الانفال میں آئی ہے۔ کہ ساری زندگی کے معاملات دینِ اسلام کے مطابق ڈھل جائیں۔ یہ نہ ہو کہ بعض احکامات پر عمل ہو اور بعض پر نہ ہو۔ اور یہ بھی نہ ہو کہ دین اسلام کو اجزاء میں تقسیم کر دیا جائے، مساجد میں نمازیں بھی ادا کی جارہی ہوں، زکوٰۃ بھی بادل نہ خواستہ دے رہے ہوں لیکن

ملک میں قائم نظامِ حکومت میں دین کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔مالی معاملات احکامِ دین کے دائرے سے باہر ہوں۔ ستر وحجاب کے احکامات پاوں تلے روندیں جائیں۔اور مر دوزن کی مساوات اور شانہ بشانہ کے موقع فراہم کرنا ہمارا مقصد بن جائے، عورت کے تقدس کو سرِ بازار نیلام کیا جائے، اور اسے اشتہار وتشہیر کا ذریعہ بنالیا جائے۔ تیسری قرآنی اصطلاح سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دین کل کا کل اللہ عزوجل کے لئے ہو۔ عبادت وہی عبادت ہوگی جو پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

غلبہء دینِ حق۔

یہ اس سلسلے کی چہارم اصطلاح ہے۔ جو کہ سورہء الصّف میں وارد ہوئی ہے۔ "وہی ہے اللہ کی ذات جس نے اپنے رسول کو الھدیٰ اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ وہ غالب کر دے اس کو تمام جنس دین پر"۔

اس آیت کے الفاظ سورہ الفتح اور سورہ التوبہ میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ 11

مندرجہ بالا دینی فرائض کا تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد دینی فرائض کو ادا کرنے کے لئے تین لوازم کو بطورِ تقاضا پیش کرتے ہیں۔

پہلا لازمہ جہاد۔

پہلا لازمہ جہاد مع النفس سے شروع ہو کر قتّال فی سبیل اللہ کی چوٹی تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو بالفعل غالب کرنے کے لئے اس مرحلے میں باطل کے علم برداروں کے ساتھ مسلح تصادم اور کشاکش ہوتا ہے۔ ہر باطل نظام کے رکھوالے اس نظام کے مراعات یافتہ ہوتے ہیں۔ یہی لوگ زمام حکومت کو قابو کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کو کبھی بھی گوارہ نہیں کرتے کہ اس رائج الوقت نظام کو اسلامی نظام سے بدل دیا جائے۔ یہی بات وجہ تصادم بنتی ہے۔ تو جان لیجئے کہ قتّال فی سبیل اللہ ہی جہاد کی چوٹی ہے۔ اور یہی اللہ عزوجل کی محبوبیّت کا مقام بھی ہے۔ جیسا کہ سورہ الصف میں وارد ہوا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو تو وہ بندے محبوب ہیں جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس طرح صفیں باندھ کر گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ حدیثِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں بھی جہاد و قتّال سے کنی کترانے پر وعید سنائی گئی ہے۔ بحوالہ مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے۔ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ اس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی اور نہ ہی اس کے دل میں اس کی تمنّا پیدا ہوئی تو وہ ایک قسم کے نفاق پر مرا۔

دوسرا لازمہ التزام جماعت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ دینی فرائض کی ادائیگی کے حوالے سے دوسرا تقاضا ایک اسلامی جماعت کا قیام اور اس کے ساتھ گہری وابستگی ہے۔ کیونکہ اقامتِ دین کا کام انفرادی سطح پر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے التزام جماعت کا حکم دیا ہے۔

بحولہ مسندِ احمد حارث الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ائے مسلمانوں میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان باتوں کا حکم دیا ہے۔ التزامِ جماعت کا، سننے اور ماننے کا، ہجرت کا، اور جہاد فی سبیل اللہ کا۔

تیسر االازمہ۔ بیعت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ دینی فرائض کے لوازم میں سے تیسر تقاضا یہ ہے کہ اس جماعت کا نظام بیعت پر قائم کیا جائے۔اس نظام بیعت کی اصل قرآن وسنّت میں موجود ہے۔اور سلف صالحین کے ہاں بھی بیعتِ ارشاد اور بیعتِ جہاد کے حوالے بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ماضی قریب میں برِ صغیر پاک وہند میں جو تحریک سیّد احمد بریلوی شہیدؒ نے برپا کی تھی۔ جس کو تحریک، شہیدین بھی کہا جاتا ہے۔اس تحریک کی بنیاد بیعتِ جہاد پر ہوئی تھی،اس تحریک کے مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ بر صغیر پاک وہند میں خالصتا اللہ تعالی کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد وقتّال کیا گیا۔اور کتنے ہی مسلمان اس جہاد میں کام آئے۔اور جامِ شہادت نوش کیا اور ربّ العزت کی بار گاہ میں سر خرو ہوئے ہوئے۔12

اسلام کے مذکورہ بالا احیائی وتجدیدی فکر وعمل سے انحراف اور تجدد کی راہیں۔

کلاسیکی اسلامی سیاسی فکر و فلسفہ کے تناظر میں اب تک کی جو بحث ہے،اس کا مرکزی خیال احیاء اسلام واقامتِ دین رہاہے۔یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تذکرہ ایسے افکار کا بھی ہو جائے جو سرے سے ہی اقامتِ دین اور اس سلسلے میں جہاد وقتال کے قائل ہی نہیں۔ان افکار کا سلسلہ ءنسب اسلامی تاریخ میں دوسری صدی ہجری میں اٹھنے والے خوارج اور معتزلہ جیسے فرقوں سے جاملتا ہے۔خوارج نے سنتِ رسول اللہ کی آئینی حیثیت سے انکار کر دیا تھا۔انہوں نے یہ اس لئے کیا کہ وہ مسلم معاشرے میں انار کی پھیلانے کے خواہش مند تھے۔،لیکن ان کی راہ میں سنتِ رسول اللہ حائل تھی، جس نے اس معاشرے کو ایک نظم پر قائم رکھا ہوا تھا۔معتزلہ نے احادیث کا انکار اس لئے کیا کہ عجمی اور یونانی فلسفہ سے پہلا واسطہ پیش آتے ہی اسلامی عقائد کے بارے میں شک میں پڑ گئے۔جو شکوک وشبہات ان کے دلوں میں وسوسے ڈال رہے تھے،انہیں پوری طرح سمجھنے سے پہلے وہ اس کا حل نکالنے میں لگ گئے۔وہ خود ان فلسفوں میں نہ تو بصیرت حاصل کر سکے اور نہ ہی تنقیدی جائزہ لے کر ان کی صحت وقوّت کو جانچ سکے۔انہوں نے ان یونانی فلسفے کو بے چوں وچرا اس قبول کیا اور عقل کا تقاضا قرار دیا پھر اسلام کے عقائد اور اصولوں کی ایسی تعبیر کرنے کی کوشش کی جس سے اسلامی عقائد یونانی فلسفوں کے مطابق ڈھل جائیں اور اسلام بھی سلامت رہے۔اس راستے میں بھی حدیث وسنت رکاوٹ بنی۔اس لئے انہوں نے بھی خوارج کی طرح حدیث کو مشکوک بنانے کی سر توڑ کوشش کی۔اور سنت کو حجت ماننے سے انکار کر دیا۔ان دونوں فتنوں کا طریقہ ءواردات ایک جیسا تھا۔وہ چاہتے تھے کہ اسلام کی ایسے ترجمانی کی جائے کہ قرآن کو رسول اللہ ﷺ کی قولی اور عملی تشریح وتوضیح،اور اس نظامِ فکر وعمل سے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی راہنمائی میں قائم کیا،سے الگ کر دیا جائے اور اس کو محض ایک کتاب کی حیثیت سے لے لیا جائے۔اور اس طرح اسلام کی من مانی تاویلات کر کے ایک دوسرا نظام بنادیا جائے اور اس پر اسلام کا لیبل بھی لگا رہے۔13

چنانچہ انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا،اس کے دو حربے تھے۔ایک یہ کہ احادیث کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں کہ وہ فی الواقعہ رسول اللہ ﷺ کی ہیں بھی یا نہیں۔دوسرے یہ کہ سوال اٹھایا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول یا عمل ہو بھی تو ہم اس کی اطاعت کے پابند نہیں۔یہ افکار تھوڑی مدت چل کر اپنی موت آپ مر گئے۔اور تیسری صدی کے بعد کئی صدیوں تک اسلامی دنیا میں نہ اس کا نام باقی رہا اور نہ نشان۔اس فتنہ کی دوسری پیدائش کی وجہ بھی وہی تھی،جو دوسری صدی ہجری میں پہلی مرتبہ اس کی پیدائش کا سبب بنی۔یہ کہ بیرونی فلسفوں اور غیر اسلامی تہذیبوں سے ٹکراؤ پر ذہنی شکست خوردگی میں مبتلہ ہو جانا،اور ناقدانہ نظر کے بغیر ان فلسفوں کو عقل کا تقاضا سمجھ کر قبول کر لینا اور اسلام کو اس فلسفے کے مطابق ڈھالنا۔تاہم دوسری صدی کی بہ نسبت تیرہویں صدی ہجری کے حالات بہت مختلف تھے۔دوسری صدی ہجری میں

مسلمان فاتح تھے۔ان کو سیاسی غلبہ حاصل تھا۔اور جن قوموں کے فلسفہ سے ان کے افکار کا ٹکراؤ ہوا وہ مفتوح قوموں کے فلسفے تھے۔اس کی وجہ سے ان مفتوح قوموں کے فلسفوں کا اسلامی افکار پر حملہ ہلکا ثابت ہوا۔اور بہت جلد رد کر دیا گیا۔لیکن تیرہویں صدی ہجری میں معاملہ اس کے برعکس تھا۔غیر اسلامی افکار کا حملہ اس وقت ہوا۔جبکہ مسلمان زندگی کے ہر میدان میں شکست کھا چکے تھے۔انکے اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا چکی تھی۔ان کی سلطنت پر ان کے دشمن قابض ہو چکے تھے۔ان کی معاشی حیثیت تباہ و برباد کر دی گئی تھی۔ان کا نظامِ تعلیم درہم برہم ہو چکا تھا۔اور وقت ایسا ہو گیا تھا کہ فاتح قوم نے ان پر اپنا قانون،اپنی تہذیب،اپنی زبان اور اپنے معاشی و سیاسی اداروں کو نافذ کر دیا تھا۔ان حالات میں جب مسلمانوں کو فاتح اقوام کے افکار و فلسفے سے واسطہ پیش آیا تو قدیم زمانے کے معتزلہ کی بہ نسبت ہزار درجہ سخت مرعوب ذہن رکھنے والے معتزلہ مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے لگے۔انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یورپ سے جو نظریات،افکار و تخیّلات،اصولِ تہذیب و تمدن،اور قوانین آرہے ہیں،وہ نہ صرف معقول ہیں بلکہ ان کو اسلام کے اصولوں پر رکھنا بھی تاریک خیالی قرار دیا۔اور طے یہ کیا کہ وقت کے ساتھ چلا جائے اور اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان افکار کے مطابق ڈھال لیا جائے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اسلام کی مرمت کرنی چاہئے،تو انہیں بھی اس راستے میں بڑی رکاوٹ رسول اللہ ﷺ کی سنّت محسوس ہوئی۔جس نے اسلام کے نظامِ حیات کو عملی صورت میں قائم کیا ہوا ہے۔اسی سنّتِ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی شرح کر کے قرآنِ پاک کی ہدایات کا مقصد متعین کر کے مسلمانوں کے تہذیبی تصوّرات کی تشکیل کی ہے۔اسی پر اسلام کے عملی ادارے،ہر شعبہ زندگی میں تعمیر شدّہ ہیں۔تو انہوں نے سوچا کہ اسلام کی کوئی مرمت بغیر اس کے نہیں ہو سکتی کہ جملہ کتبِ احادیث نبّوی ﷺ سے ہی جان چھڑائی جائے۔اس کے بعد صرف قرآن کے الفاظ رہ جاتے ہیں جس کے ساتھ نہ کوئی عملی مثال ہو گی اور نہ ہی کوئی مستند تعبیر ہو گی اور نہ ہی کوئی نظیریں ہوں گی۔اب قرآنِ پاک کو من پسند تاویلات کا آسانی کے ساتھ تختہءِ مشق بنایا جاسکے گا۔اور یوں قرآنِ پاک موم کا ہم صفت ہو جائے گا،کہ جدھر چاہو ادھر موڑو۔جسے ہر چلتے ہوئے فلسفے کے مطابق ہر روز ایک نئی شکل دی جاسکے گی۔14

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جدید دور کے معتزلہ نے اپنے پیشرؤں کی طرح وہی حربے استعمال کئے جس سے مسلمانوں کے دلوں میں کتبِ احادیث کے بارے میں شکوک پیدا کیا جاسکیں۔لیکن حالات کے فرق و تفاوت نے ان حربوں کی تفصیلی صورت میں بڑا فرق پیدا کر دیا۔قدیم زمانے کے معتزلہ،ذی علم لوگ تھے۔عربی زبان و ادب میں گہری سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔قرآن و حدیث اور فقہ کا ادراک ان کو حاصل تھا۔اور یہ کہ ان کا واسطہ بھی ان مسلمانوں سے پیش آیا جن کی علمی زبان عربی تھی۔اس مسلم معاشرے میں عام مسلمانوں کا تعلیمی معیار بہت بلند تھا۔جہاں دینی علوم کے ماہرین کی بہت بڑی تعداد ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔اور ایسے معاشرے میں کوئی کچی پکی بات لا کر پیش کر دینے سے خود اس شخص کی ہوا اڑ جاتی ہو جانے کا خطرہ رہتا تھا جو ایسی بات لے کر آئے۔اس سبب قدیم زمانے کے معتزلہ انتہائی سنبھل کر بات کرتے تھے۔اس کے بالکل ہی برعکس جدید دور کے معتزلہ ہیں کہ جن کا اپنا علمی پایا بھی سر سید احمد خان کے زمانے سے لے کر آج تک درجہ بہ درجہ ایک دوسرے سے کم تر ہی ہوتا چلا گیا ہے۔اور ان کو سابقہ بھی ایسے معاشرے سے پیش آیا کہ جو عربی زبان سے نابلد ہے۔جس میں عربی زبان اور دینی علوم کے جاننے والے کا نام تعلیم یافتہ نہیں بلکہ تعلیم یافتہ اس شخص کو کہتے ہیں جو دنیا میں چاہے سب کچھ جانتا ہو،مگر قرآن پر بہت مہربان ہو تو کبھی کبھار اس کو انگریزی ترجموں کی مدد سے پڑھ لے۔اور حدیث اور فقہ کے متعلق حد سے حد سنی سنائی باتوں پر اکتفا کر لے۔اور اسلامی روایات پر بھی ایک اجنبی نگاہ ڈال کر یہ سمجھتا ہو کہ یہ کچھ بوسیدہ چیزوں کا مجموعہ ہے جسے چھوڑ کر زمانے آگے جا چکا ہے۔اس مبلغ علم کے بل بوتے پر وہ اس زعم میں مبتلا ہو کہ اسلام کے بارے میں آخری اور فیصلہ کن رائے قائم کرنے کی وہ پوری اہلیت رکھتا ہے۔ایسے حالات میں پرانے معتزلہ کی بہ نسبت نئے اعتزال جیسا کچھ گھٹیا ہو سکتا ہے ظاہر ہے کم علمی کی جسارت زیادہ ہے۔15

تحریکِ انکارِ حدیث پہلی بار عراق میں اٹھی۔ اس کے بانی واصل بنِ عطا غزال تھا۔ اب اس کا دوسرا جنم ہندستان میں ہوا۔ یہاں اس کے بانی سر سیّد احمد خان اور مولوی چراغ علی تھے۔ ان کے بعد مولوی عبداللہ چکڑالوی اس کے علم بردار بنے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امر تسری نے اس علم کو اٹھایا، پھر اسلم جیراج پوری اسے لے کر آگے بڑھے، اور اس کے بعد غلام احمد پرویز کے حصے میں اس کی چودھراہٹ آئی، جس نے، اس فکر کو اور ترقی دی۔ 16

حواشی وحوالہ جات

1 احمد، اسرار، ڈاکٹر اور تنظیمِ اسلامی ایک تعارف، ص نمبر 55-57۔ ناشر شعبہ مطبوعات، انجمن خدّام

القرآن، سندھ کراچی، قرآن اکیڈمی یاسین آباد، شارع قرآن اکیڈمی، بلاک 9۔ فیڈل۔ بی۔ ایریا، کراچی۔ طبع سوم 4 رجب۔ 1433 ہجری مطابق 26 مئی 2012ء

2 ایضا، صفحہ نمبر 60۔ 62۔

3 ایضا، صفحہ نمبر 63۔

4 ایضا، صفحہ نمبر 64۔

5 ایضا، صفحہ نمبر 65۔

Qureshi.I.H, Ulema in politics, Renaissance publishing house C, 69, Jitar Nagar, Delhi,1985.

6 احمد، اسرار، ڈاکٹر برِ عظیم پاک وہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید وتعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں،، ص 41۔ شائع کردہ مکتبہ خدام القرآن لاہور 1994ء۔

7 ایضا، صفحہ ءنمبر 45-46۔

8 احمد، اسرار، ڈاکٹر بر عظیم پاک وہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید وتعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں باب ول صفحہ ءنمبر 4۔ 21۔ ناشر مکتبہ خدام القرآن لاہور 36 کے 'ماڈل ٹاون لاہور 1994ء۔

9 سلسلہ اشاعتِ تنظیمِ اسلامی نمبر 2۔ احمد، اسرار، ڈاکٹر

تنظیمِ اسلامی کا تاریخی پس منظر، صفحہ ءنمبر 21۔، ناشر تنظیمِ اسلامی مرکزی دفتر 67۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور۔ 1991۔

ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیمِ اسلامی ایک تعارف، ص نمبر 58-65۔ ناشر شعبہ مطبوعات، انجمن خدّام القرآن، سندھ کراچی، قرآن اکیڈمی یاسین آباد، شارع قرآن اکیڈمی، بلاک 9۔ فیڈل۔ بی۔ ایریا، کراچی

احمد، خورشید، پروفیسر مسلمانوں کے سیاسی افکار، صفحہ نمبر220۔221، ادارہ ثقافت اسلامیہ 2کلب روڈلاھور، مطبع مکتبہ جدید پریس لاھور، 1990

احمد، اسرار، ڈاکٹر علاّمہ اقبال اور ہم، صفحہ ءنمبر8، ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمنِ خدام القرآن لاہور، طبع ششم، 1997۔

اکرم، محمد، شیخ موجِ کوثر، صفحہ نمبر172۔174۔ناشر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ناظمادارہ ثقافتِ اسلامیہ، مکتبہ جدید پرس، لاہور، 2000ء

10۔ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص نمبر65۔70۔ناشر شعبہ مطبوعات ،انجمن خدّام القرآن،سندھ کراچی، قرآن اکیڈمی یاسین آباد،شارع قرآن اکیڈمی، بلاک9۔ فیڈل۔بی۔ ایریا، کراچی

11۔ایضا،صفحہ ءنمبر215–220۔اور صفحہ ءنمبر65۔68۔

12۔ایضا،صفحہ ءنمبر221–230۔

13۔مودودی، ابوالاعلیٰ،سید سنّت کی آئینی حیثیت، ص نمبر13۔14، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لیمیٹڈ، لاہور، 1997۔

زبیر، حافظ محمد، تحریکِ تجدد اور متجددین، ص10۔16، ناشر دارالفکر اسلامی، لاہور، 2017۔

14۔مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، سنّت کی آئینی حیثیت،، ص نمبر16.17، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لیمیٹڈ، لاہور، 1997۔

احمد، اسرار، ڈاکٹر اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر ص۔73۔ناشر تنظیم اسلامی مرکزی دفتر67۔اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور۔1989۔

15۔ایضا، ص نمبر18۔

16۔زبیر، حافظ محمد تحریکِ تجدد اور متجددین، ص نمبر93۔100،، ناشر دارلفکر اسلامی لاہور، 2017۔

مودودی، ابوالاعلیٰ سید سنّت کی آئینی حیثیت،، ص نمبر16، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لیمیٹڈ، لاہور، 1997۔